۱۵ جولائی ۱۹۷۳ء

رجسٹرڈ نمبر ایل 922
فون نمبر ۲۹
ایڈیٹر
آل احمد سرور
اشاعت کی تاریخیں
۱ ، ۸ ، ۱۵ ، ۲۲
قیمت سالانہ چھ روپے
قیمت فی کاپی ۲۰ پیسے

ہفتہ وار

ہماری زبان

جلد ۳۲ | انجمن ترقی اردو ہند (علی گڑھ) | شمارہ ۷

اداریہ

انجمن کی کُل ہند کانفرنس

ہماری زبان کے پڑھنے والوں، انجمن کی ریاستی اور مقامی شاخوں کے ممبروں اور عام اردو دوستوں کو یہ معلوم کرکے یقیناً مسرت ہوگی کہ انجمن کی کل ہند کانفرنس جو کئی مجبوریوں کی بنا پر ایک عرصے سے نہ ہو سکی تھی، امسال دسمبر کے آخری ہفتے میں دلی میں ہوگی۔ ۹ جولائی کو غالب اکیڈمی میں دلی کے اردو دوستوں کا ایک جلسہ ہوا جس میں صدر انجمن پنڈت آنند نرائن ملا اور نائب صدر ڈاکٹر یوسف حسین خاں کے علاوہ ریاستی شاخ کے صدر پنڈت سندر لال، مفتی عتیق الرحمان، جناب مالک رام، ڈاکٹر سلامت اللہ، ڈاکٹر گوپی چند نارنگ، جناب گوپال متل، جناب گلزار دہلوی، قاضی معز الدین احمد، ڈاکٹر خلیق انجم، عبداللطیف اعظمی، عبدالقدوس بخش قادری، ڈاکٹر تنویر احمد علوی، جناب جوش ملسیانی، حسن ثانی نظامی اور دوسرے اردو دوست شریک تھے۔ تمام حاضرین نے مرکزی انجمن کی اس تجویز کا خیر مقدم کیا کہ یہ کانفرنس دلی میں منعقد کی جائے اور ریاستی شاخ کے کارکنوں اور دوسرے اردو دوستوں نے پورے تعاون کا یقین دلایا۔ اس وقت ابتدائی کام کے لئے ایک کمیٹی بن گئی ہے جس کے کنوینر جناب مالک رام اتفاق رائے سے مقرر ہوئے ہیں۔ وہ اپنی مدد کے لئے دو تین مددگار بھی چن لیں گے۔ ابتدائی کمیٹی کا ایک بڑا اجلاس ۵ اگست کو چھ بجے شام کے غالب اکیڈمی کے ہال میں ہوگا جس میں آئندہ کے لئے انتظامات پر غور کیا جائے گا۔ اس جلسے میں یہ بھی طے پایا کہ مجلس استقبالیہ کے کم سے کم پانچ سو ممبر بنائے جائیں اور ممبری کی فیس سب کی سہولت کے لئے دس روپیہ رکھی جائے۔ صاحب استطاعت حضرات سے عطیات اس کے علاوہ لئے جائیں گے۔ جامعہ ملیہ کے نمائندوں نے جامعہ کے ہوسٹل میں مہمانوں کے قیام کا انتظام کرانے کی امید دلائی ہے جس کے لئے ہم اُن کے شکر گزار ہیں۔ توقع یہ ہے کہ اس کانفرنس میں مختلف ریاستوں سے کم سے کم دو سو نمائندے ضرور شریک ہوں گے۔

یہ کانفرنس اردو تحریک کے ایک اہم موڑ پر ہو رہی ہے۔ حکومت ہند اب اردو کے لئے کچھ سہولتیں دے رہی ہے، ریاستی حکومتوں کو بھی کچھ ہوش آیا ہے، مرکز کی فروغ اردو کمیٹی کی رپورٹ عنقریب شائع ہونے والی ہے۔ انجمن کا مسلک یہ ہے کہ جب تک اُس کا بنیادی مطالبہ کہ دستور کی دفعہ ۳۴۷ کے تحت اُن ریاستوں میں جہاں اردو بولنے والوں کی قابل لحاظ آبادی ہے، اردو کو سرکاری زبان تسلیم نہیں کیا جاتا، اس وقت تک اردو کی تعلیم کے لئے سہولتیں واقعی میسر نہ آسکیں گی اور نہ اردو کے چلن کے راستے میں جو رکاوٹیں ہیں وہ دور ہو سکیں گی۔ اس

مسئلے کی روشنی میں ہم مرکز کی فروغ اردو کمیٹی کی سفارشات اور حکومت ہند اور ریاستی حکومتوں کی موجودہ صورتوں کو پرکھیں گے اور آئندہ کے لئے اپنا لائحہ عمل مرتب کریں گے۔ اس سلسلے میں جو بھی انتظامات طے ہوں گے ان کی اطلاع برابر ہماری زبان میں دی جائے گی۔

پروفیسر ضیاء احمد بدایونی اور پروفیسر حمید الدین خاں کا انتقال

اس ہفتے علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کو دو صدموں سے دوچار ہونا پڑا۔ ۸ر جولائی کو اردو، فارسی اور عربی کے مشہور عالم پروفیسر ضیاء احمد بدایونی کا ایک مختصر علالت کے بعد علی گڑھ میں انتقال ہو گیا۔ انتقال کے وقت اُن کی عمر ۷۸ برس کی تھی۔ پروفیسر ضیاء احمد ۱۸۹۵ء میں پیدا ہوئے۔ عربی اور فارسی کی تعلیم قدیم طرز کے مطابق حاصل کرنے کے بعد انگریزی اسکول میں داخلہ لیا۔ بریلی کالج سے فارسی میں ایم۔ اے کیا۔ اُس کے بعد کچھ عرصے الہ آباد میں ریسرچ کی اور پھر علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے شعبۂ فارسی میں لیکچرر ہو گئے، جہاں سے ۱۹۵۸ء میں پروفیسر اور صدر شعبہ کی حیثیت سے سبکدوش ہوئے۔ انھوں نے کچھ عرصے تک انجمن ترقی اردو ہند کی اردو لغت کی ایک اسکیم کی نگرانی کی اور اس کے بعد آٹھ سال تک دہلی یونیورسٹی کے شعبۂ اردو میں ایک اردو لغت کے کام کی نگرانی کرتے رہے۔ مرحوم عربی، فارسی، اردو تینوں زبانوں کے کلاسیکی سرمائے پر بڑی گہری نظر رکھتے تھے۔ ان کا علم بہت وسیع تھا اور وہ بڑے پاکیزہ صفات کے حامل تھے۔

پروفیسر حمید الدین خاں علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کی بڑی ممتاز شخصیتوں میں سے تھے۔ انھوں نے تقریباً چالیس سال تک فارسی ادب کی درس و تدریس کے فرائض انجام دئے وہ ۱۹۱۳ء میں ایم۔ اے۔ او کالج کے اسٹاف میں لئے گئے تھے اور ۱۹۵۳ء میں پروفیسر فارسی کی حیثیت سے سبکدوش ہوئے۔ انھوں نے حال ہی میں قرآن کریم کا انگریزی میں ترجمہ مکمل کیا تھا۔ وہ یونیورسٹی کے عاشقوں میں سے تھے اور انھوں نے اپنا ذاتی مکان اپنی زندگی میں ہی یونیورسٹی کو دے دیا تھا۔ انتقال کے وقت ان کی عمر ۸۵ سال تھی۔ ادارہ ہماری زبان ان دونوں عالموں کے انتقال پر اپنے دلی رنج و غم کا اظہار کرتا ہے۔

(ادارہ ہماری زبان)

اردو مدرسین کے انٹرویو کے سلسلے میں جابجا بدعنوانیاں

حکومت یوپی نے پرائمری درجات میں اردو پڑھانے کے لئے تقریباً چار ہزار اردو ٹیچروں کی تقرری کا جو اعلان کیا تھا، ان کا انٹرویو گزشتہ مہینے مختلف اضلاع میں مختلف تاریخوں میں ہوا، لیکن اس سلسلے میں اکثر اضلاع سے جس قسم کی بدعنوانیوں کی شکایت اخبارات کے ذریعہ اور براہ راست ہم کو ملی ہیں وہ نہ صرف ہمارے لئے قابل افسوس اور مایوسی کا باعث ہیں بلکہ ریاست کی انتظامی مشنری کی نااہلیت اور غفلت کی مظہر ہیں۔ اسی شمارے میں علی گڑھ کے ایک سماجی ادارے (کمیونٹی سنٹر) کی سکریٹری کا مراسلہ شائع ہو رہا ہے۔ اس سے علی گڑھ میں ہونے والے انٹرویو کی بدنظمی اور بدعنوانی پر کافی روشنی پڑتی ہے۔

اس کے علاوہ لکھنؤ، کانپور، گورکھپور، بجنور، مرادآباد، سہارنپور اور دوسرے اضلاع سے بھی اسی قسم کی شکایتیں ملی ہیں، جن میں سے بیشتر یہ ہیں۔

۱۔ امیدواروں کے لئے بیٹھنے کا کہیں کوئی معقول انتظام نہیں تھا۔

۲۔ انٹرویو کمیٹی کے پاس امیدواروں کی کوئی باقاعدہ فہرست نہیں تھی۔ شکایت اور احتجاج پر نام درج کر لیا جاتا تھا۔ جبکہ سب امیدواروں نے باقاعدہ جوابی رجسٹری کے ذریعہ اپنی درخواستیں بھیج کر ڈاکخانہ کی رسید حاصل کر لی تھی۔

۳۔ انٹرویو کمیٹیوں میں اکثر مقامات پر کوئی اردو داں ممبر نہیں تھا اور جہاں کوئی تھا وہ بھی محض دکھاوے کے لئے۔

(۴) انٹرویو عملے کا برتاؤ امیدواروں کے ساتھ غیر ہمدردانہ اور وحشیانہ تھا۔

۵۔ انٹرویو کمیٹی کے سامنے مطلوبہ علمی استعداد کا کوئی معیار نہیں تھا۔ جامعہ اردو، علی گڑھ کے امتحانات کو مطلوبہ استعداد سے خارج قرار دیدیا تھا۔

۶۔ تقرری کے وعدے پر اکثر سنٹروں پر رشوت کا بازار گرم تھا۔

۷۔ نئے امیدواروں کو بلا کر محض پریشان کرنا مقصود تھا۔ جبکہ یہ طے تھا کہ پہلے اُن پرانے ٹیچروں کو مزید کچھ الاؤنس دے کر اردو پڑھانے کا کام دیا جائے گا جو پہلے سے اسکولوں میں دوسرے مضامین پڑھا رہے ہیں۔ اور تھوڑی بہت اردو بھی جانتے۔ اُن کی جگہ پر پھر بعد میں دوسرے مضامین پڑھانے والے استادوں کی گنجائش نکالی جائے گی اس طرح نئے ٹیچروں کی تقرری کی گنجائش بہت کم رہ جاتی ہے۔

یہ شکایتیں ایسی ہیں جن کو رفع کرنے کے لئے حکومت کو خاص توجہ کرنی چاہئے۔ عملے کے متعلق بدعنوانیوں کی جو شکایتیں ہیں تحقیق کر کے ان کو تنبیہ کی جائے یا اس میں حسب ضرورت تبدیلی عمل میں لائی جائے۔

جہاں تک پرانے ٹیچروں کو اردو پڑھانے کے کام سپرد کرنے کا سوال ہے ہم نہیں سمجھ سکتے کہ حکومت یوپی

(باقی صفحہ ۱۲ پر)

نیر اقبال

کچھ رسالہ گلکرسٹ کے بارے میں

ڈاکٹر انصار اللہ صاحب نظر نے اپنی تالیف "قاعدۂ ہندی ریختہ" میں اس رسالہ کو گلکرسٹ کی تصنیف ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔

ان کے ذہن میں یہ خیال ایک طرف کتاب کے سرورق مندرجات دیکھ کر پیدا ہوا دوسری طرف کتاب کے اندر گلکرسٹ کی قواعد کی شاکلوں سے کچھ مماثلتوں کے بارے میں پڑھ کر۔ اسی خیال کے تحت انھوں نے چند دلچسپ قیاس آرائیاں کر ڈالیں مثلاً انھوں نے وقت کا اندازہ بھی لگا لیا کہ ۱۷۹۵ء سے پہلے لکھی گئی ہوگی اور جگہ کا بھی کہ بنارس کے دوران قیام اس نے اس کو تصنیف کیا ہوگا۔

اصل میں تحقیق کا سفر بڑا ہی دشوار گزار ہوتا ہے۔ اس میں گمراہی کی کئی منزلیں آتی ہیں۔ ایسی منزلوں پر بجائے قیاسات پر تکیہ کرنے کے حقایق کی تلاش کرنا چاہیئے۔

(۱) گلکرسٹ ۱۷۸۲ء میں ہندوستان آیا، فیض آباد اور بنارس میں ۱۷۸۵ء سے ۱۷۹۵ء تک رہا۔ ۱۷۹۵ء میں کلکتہ لوٹ آیا اور ۱۸۰۴ء تک کلکتہ میں قیام پذیر رہ کر لندن واپس چلا گیا۔

اس کی قواعد کا پہلا اڈیشن ۱۷۹۶ء میں کلکتہ سے شائع ہوا۔ اب سوال یہ اٹھتا ہے کہ اگر اس نے اس سے پہلے یہ کتاب مرتب کر لی تھی تو شائع کیوں نہ کرائی۔

ابتداء میں گلکرسٹ کو اپنی اس ادبی مہم کے سلسلہ میں جو مشکلات درپیش آئیں اور پریشانیاں اس کو اٹھانی پڑیں۔ اُن کا تذکرہ اس نے ضمیمہ میں تفصیل سے کیا ہے۔ اپنے طریقہ کار کی تفصیلات بھی دی ہیں۔ اگر اس دوران میں اس نے اس رسالہ کو لکھا ہوتا تو ضمیمہ میں ضرور اس کا تذکرہ کرتا۔ لیکن نہ صرف ضمیمہ میں ہی بلکہ بعد کی کسی تصنیف میں بھی اس کا تذکرہ نہیں ملتا۔ حالانکہ اس نے ہر تصنیف کے ساتھ طویل دیباچے شامل کئے ہیں۔

اپنی تصانیف کے علاوہ اس نے ہندوستانی زبان کی کئی کتابیں مرتب کروائی ہیں اور ان کو اپنے دیباچوں کے ساتھ شائع کیا ہے۔ مثلاً اردو قواعد کی زبان اردو پہلی کتاب "اتالیق ہندی"

یہ قواعد مظہر علی ولا اور کالج کے دوسرے منشیوں کے ذریعہ مرتب کروائی گئی تھی۔ ۱۸۰۱ء میں اس کی اشاعت ہوئی اس کے ساتھ بھی اس کا ایک طویل دیباچہ ہے اس میں وہ بار بار لکھتا ہے کہ یہ زبان اردو ابھی تک اردو کے کوئی قواعد مرتب نہیں ہوئے ہیں۔ اور ہندوستان آکر انگریز سول ملازمین کو اردو کے جو معلمین میسر آتے ہیں وہ انتہائی جاہل اور کندۂ ناتراش ہوتے ہیں ان کو اچھی زبان و قاعدہ کا کچھ پتہ نہیں ہوتا۔ انھیں منشیوں کے ذریعے کے لئے یہ قواعد مرتب کرائے جا رہے ہیں اس دیباچہ میں وہ اپنی انگریزی میں لکھی ہوئی قواعد کا تذکرہ کرتا ہے۔ لیکن اس رسالہ کا کوئی ذکر نہیں کرتا۔

(۲) وہ ہندوستان سے ۱۸۰۴ء میں چلا گیا تھا۔ اس کے بعد اس کی صرف ایک تصنیف کے دوسرے اڈیشن کے ۱۸۰۸ء میں کلکتہ سے شائع ہونے کا پتہ چلتا ہے۔ ورنہ نہ صرف نئی تصانیف بلکہ تمام پرانی تصانیف کے نئے اڈیشن بھی لندن سے ہی شائع ہوئے ہیں۔

اگر یہ رسالہ اس کا تصنیف کردہ تھا تو اس کا ۱۸۳۰ء میں کلکتہ سے شائع ہونا تعجب خیز ہے۔ اس لئے بھی کہ ۱۸۰۴ء میں جن حالات میں گلکرسٹ یہاں سے گیا تھا وہ بعد میں بد سے بدتر ہوتے گئے یہاں تک کہ ۱۸۰۲ء کے بعد فورٹ ولیم کالج کے شعبہ ہندوستانی میں جو صدر صاحبان آئے وہ کھلے طور پر گلکرسٹ کے مخالف تھے ایسی فضا میں اس کی کسی تصنیف کا یہاں سے شائع ہونا ممکن نہیں معلوم ہوتا۔

(۳) اس کی تمام تصانیف انگریزی میں ہیں۔ حتیٰ کہ اردو مثالیں بھی اس نے کہیں نہ کہیں سے بطور اقتباسات کے فراہم کی ہیں۔ اس کے قلم سے نکلے ہوئے دس جملوں کا بھی پتہ نہیں چلتا۔ وہ ایک مکمل تصنیف کو اس سے وابستہ کرنا جو ایسا علمی کارنامہ ہے کہ اس کے بعد آنے والے اور علمی طور پر اس سے کہیں زیادہ قابل مستشرقین بھی انجام نہیں دے سکے اور پھر قیام کے اتنے ابتدائی دور میں، بات قطعی طور پر قابل قبول نہیں معلوم ہوتی۔

(۴) ادب میں تو ایسا ہو سکتا ہے کہ ایک ہی شاعر یا ادیب خاص طور سے شاعر متضاد باتیں کہہ دے لیکن علم ایک مستقل اور قدم بقدم آگے بڑھنے والی شے ہے۔ اس میں تضاد اور ابہام کی کم ہی گنجائش ہے۔ گلکرسٹ ایک صاحب نظر علمی شخصیت تھا اس سے یہ توقع کرنا کہ وہ اپنی تمام تصانیف میں تو ایک خاص نظریہ کی ترویج کرتا ہے اور کسی دوسری تصنیف میں اس کی تکذیب کرے خاصہ مضحکہ خیز معلوم ہوتا ہے۔ اس نے اپنی تمام تصانیف میں عربی فارسی اور سنسکرت آمیز اردو کی مذمت کی ہے تمام منشیوں سے "بولنے چالنے" کی زبانوں میں کتابیں لکھوائی ہیں تصانیف اور تالیف میں عربی اور سنسکرت کی اصطلاحیں برتنے سے اجتناب کیا ہے اس سے کیسے توقع کی جاسکتی ہے کہ اس انداز میں قواعد مرتب کرے گا

"اسم کی تین نوع ہیں
نوع اول جامد
وہ اسم ہے کہ نہ وہ مشتق ہے نہ مشتق منہ"

سرورق کے مندرجات کا مسئلہ اہم ہے۔ رسالے کے جو اڈیشن میری نظر سے گزرے ہیں ان پر مصنف یا مولف کا نام نہیں

نوٹ: اس مضمون میں صرف یہ کہا گیا ہے کہ یہ کتاب گلکرسٹ کی مرتبہ نہیں ہے۔ بہادر علی حسینی کے بارے میں بعد میں لکھا جائے گا۔

ہے کہیں کسی پر بھی مولف یا مصنف گل کرسٹ بھی نہیں لکھا ہے۔ نہ صرف یہ بلکہ انڈیا آفس لائبریری لندن امپیریل لائبریری کلکتہ، ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ مولانا آزاد لائبریری علی گڑھ۔ اور دوسری بہت سی دوسری لائبریریوں کے کیٹلاگ میں جہاں جہاں یہ کتاب موجود ہے اس کا نام یہی رسالہ گل کرسٹ لکھا گیا ہے۔ مولف یا مصنف کا خانہ خالی ہے۔ یہی نہیں مختلف یورپی زبانوں میں مرتب ہوئی ایسی فہرستیں میری نظر سے گزری ہیں جو گل کرسٹ کی زندگی میں ہی شائع ہوگئی تھیں مثلاً ایک ببلوگرافی جو فرانسیسی زبان میں ہے۔ ہماری لائبریری میں بھی موجود ہے۔ یہ ۱۸۲۸ء میں شائع ہوئی ہے۔ اس وقت تک شائع ہونے والی گل کرسٹ کی تمام کتابوں کے نام اس میں موجود ہیں۔ لیکن اس کا تذکرہ نہیں ہے۔ یہ پیرس سے شائع ہوئی ہے جہاں گل کرسٹ کا دوست اور معتقد گارساں موجود تھا۔ اور پیرس لندن سے کچھ اتنا دور اس زمانے میں بھی نہیں تھا۔

جہاں تک اس رسالہ کے بہادر علی حسینی سے متعلق ہونے کا معاملہ ہے۔ اس کا پہلا ماخذ گریرسن ہے۔ یہ درست ہے کہ جدید تحقیقات کی روشنی میں تو گریرسن بھی بہت زیادہ قابل اعتبار ماخذ نہیں رہا ہے لیکن پھر بھی اس سے اتنی بنیادی معلومات فراہم ہوتی ہیں کہ اس کی فراہم کی ہوئی معلومات کی بغیر واضح اور مستند قابل اعتبار شواہد کے تکذیب کرنا درست نہیں معلوم ہوتا۔

یہ کتاب کسی غیر ملکی کی مرتب کی ہوئی تو کسی صورت نہیں ہوسکتی اور خیر گل کرسٹ کی تو بالکل ہی نہیں ہے۔ اندرونی اور بیرونی دونوں طرح کے شواہد اس کے خلاف ہیں۔

رسالہ میں فعل ماضی کی گردان کے سلسلہ میں "نے" نہیں استعمال ہوا ہے۔ گل کرسٹ کی قواعد میں بھی استعمال نہیں کیا گیا ہے۔ اور مظہر علی "ولا" نے بھی اسی طریقہ کو اپنایا ہے اس سلسلہ میں ولا لکھتے ہیں۔

"تثنی ایک سو دو میں صیغہ متکلم جمع ماضی بعید کا "ہم مارے تھے" نظر آوے اور اکثر جملوں میں "ہم نے مارا تھا" نظر آوے گا .... وہاں رعایت تعریف ہے اور یہاں موافق قاعدہ"
(صفحہ ۲۲۳-۲۲۶ آئینِ ہندی اردو)

(دوسرے تمام صیغوں کی وضاحت میں نے حذف کردی)

بغیر واضح طریقے اور طور کے قواعد لکھنا آسان کام نہیں ہے اس وقت تک اردو زبان کے بزبان اردو صرف و نحو قواعد مرتب ہوئے تھے وہ بھی فورٹ ولیم کی روایت کے مطابق۔ ولا اور رنگین کے دریائے لطافت، اول تو فارسی میں لکھی گئی تھی دوسرے اس وقت تک شائع نہیں ہوئی تھی۔ اس لئے اس رسالہ سے یہ پتہ نہیں چلتا کہ دریائے لطافت کے وجود کا اس کے مولف کو علم تھا یا نہیں۔ بہر حال اس پر دریائے لطافت کا کوئی اثر نہیں معلوم ہوتا۔ ایسی صورت میں لامحالہ اس وقت کے قواعد نویسیوں کو فارسی عربی کے طریقوں سے استفادہ کرنا پڑتا رہا ہے۔

عربی، فارسی دونوں زبانوں میں طور معروف کے تمام فعلی صیغے فاعل کی مناسبت سے تعریف ہوتے ہیں اور اردو کی اکثر و بیشتر ابتدائی قواعدوں میں چاہے وہ غیر ملکیوں نے لکھی ہوں یا ملکیوں نے انھیں قاعدوں کا تتبع کیا ہے۔

قلمی نسخے میں مثالوں میں جو زبان مطبوعہ نسخے سے مختلف ہے میرا خیال ہے وہ قابل اعتبار نہیں ہے۔

"ہم گیا ہوں" قسم کی غلطیاں کاتب یا کاتبوں کی مرہون منت رہی ہوں گی۔

نوٹ: یہ کتاب لازمی طور پر بہادر علی حسینی کی مرتب کی ہوئی ہے بہادر علی حسینی خود بھی دہلوی نہیں تھے بلکہ بدایوں شہر کے تھے۔ ان کے حالات کے بارے میں بعد میں ایک مضمون لکھوں گی۔

(صفحہ ۵ سے آگے)

اور اردو کو ایک دوسرے کے قریب لایا جائے۔

"حقیقتوں کے مدنظر یہ نتیجہ اخذ کرنا صحیح ہے کہ مستقبل میں انگریزی کا وقار اور استعمال بتدریج کم ہوگا اور کاروباری ہو یا دفتری غرض ہر سطح پر بڑھے گا۔"

مجھے اس کا ہمیشہ افسوس رہے گا کہ خود اپنی علالت اور کم سنی کی وجہ سے میں مرحوم کی مزاج پرسی کے لئے نہ جا سکا۔ ممکن ہے کہ بہت سے دانشور مرحوم کی ہر رائے سے متفق نہ ہوں لیکن وہ لوگ جو ان سے واقف تھے وہ اس بات پر متفق ہوں گے کہ ان میں اظہار کی جو اہلیت تھی اور بلا کسی سماجی خوف و خطر کے ان میں اپنے خیالات کو نشر کرنے کی جو جرأت تھی، وہ ایک اعتبار سے لاثانی تھی۔

وہ ایسے خاندان کے فرد تھے جس میں فکر کا جذبہ کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔ اس کا نہایت افسوس ہے کہ انھوں نے ہندی، اردو، ہندستانی پر کوئی مستقل تصنیف نہیں چھوڑی۔ لیکن ممکن ہے کہ ان کی میز کی کسی دراز میں ایسی کوئی غیر مطبوعہ تصنیف پڑی ہو جو طرز تحریر کا ایک خاص اسلوب تھا۔ اگر ان کی کوئی غیر مطبوعہ کتاب مل جائے تو فبہا، ورنہ کوئی ادارہ ان کے چیدہ چیدہ مضامین کو یکجا کرکے شائع کردے تو یہ زبان کی بڑی خدمت ہوگی۔

پروفیسر ہارون خاں شروانی

ڈاکٹر جعفر حسن مرحوم

ڈاکٹر جعفر حسن مرحوم کو میں ان کی طالب علمی کے زمانہ سے جانتا تھا۔ ان کے والد ماجد امیر حسن صاحب مرحوم سے مجھے نیاز حاصل تھا۔ وہ ہر سال محرم کے مہینے میں بڑے اہتمام سے اپنے بنگلے میں جو چیپل ٹاکیز سے ذرا آگے واقع تھا، مجلس عزا منعقد کرتے اور ان میں شرکت کے لئے مجھے بھی یاد کرتے۔ شاید جعفر حسن سے سب سے پہلے انہی مجالس میں ملاقات ہوئی تھی۔ میں حیدرآباد ۱۹۱۹ء میں آیا اور ۱۹۲۱ء یا ۱۹۲۲ء میں امیر حسن صاحب کے یہاں آنا جانا شروع کیا۔ امیر حسن صاحب سر سید احمد خاں غفرلہٗ کے جانشین نواب محسن الملک کے حقیقی بھائی تھے اور شاید یہی سبب امیر حسن صاحب سے میری ملاقات کا ہوا ہوگا۔

جہاں تک مجھے یاد ہے جعفر حسن نے جامعہ عثمانیہ میں ۱۹۲۰ء میں داخلہ لیا۔ انھوں نے منجملہ دوسرے مضامین کے تاریخ اور معاشیات کو بھی بطور اپنے اختیاری مضامین کے منتخب کیا۔ میں اس زمانہ میں لکچرر کی خدمت پر مامور تھا اور منجملہ دوسرے مضامین کے تاریخ انگلستان اور تاریخ یورپ پر درس دیتا تھا۔ میری کلاسیں اس عمارت کی پہلی منزل پر ہوتی تھیں جہاں آج کل اعظم جاہی ملز اور آلوین کارخانے کا دفتر ہے۔ جعفر حسن ہمیشہ کلاس کی دوسری صف میں بیٹھتے تھے اور چونکہ طلبہ کو درس کے دوران میں سوال کرنے کی اجازت تھی اس لئے وہ اس اجازت سے کما حقہٗ استفادہ کرتے اور سوالات کرکے اپنے آپ کو مطمئن کرتے باوجودیکہ وہ محض انٹرمیڈیٹ کے طالب علم تھے ان کے سوالات میں بہت گہرائی ہوتی تھی اور بعض سوالوں کے جواب کے لئے سوچنا پڑتا تھا لیکن جامعہ عثمانیہ میں وہ زیادہ دن تک نہیں رہے اور تحصیل تعلیم کے لئے جرمنی چلے گئے۔

کئی سال بعد وہ پی ایچ ڈی کی طیلسان لے کر واپس آگئے اور بہت جلد جامعہ عثمانیہ سے وابستہ ہوگئے۔ مجھے یہ یاد نہیں کہ ان کے ڈاکٹریٹ مقالے کا کیا عنوان تھا لیکن ان کی پہلی دو تصانیف ایک "حرکیات اور مسئلہ تعلیم" اور دوسری "زرعی افلاس ہند" جامعہ عثمانیہ کی ملازمت کے بعد شائع ہوئیں۔ اسی دوران میں انھیں ہندی زبان کے مطالعہ کا شوق پیدا ہوا اور ۱۹۳۰ء میں انھوں نے "منتخبات ہندی کلام" شائع کی۔ اس کا ۳۲ صفحے کا مقدمہ ہندی شاعری اور اس کی مختلف شکلوں پر ایک سیر حاصل تبصرہ سمجھنا چاہئے۔ اس کتاب میں مرحوم نے نہ صرف ہندی دوہے کبت اور چوپائیاں، اپنی اصلی شکلوں میں پیش کی ہیں بلکہ ہر ایک کی تشریح بھی بیان کی ہے۔

"منتخبات ہندی کلام" کے نام ہی سے ظاہر ہوتا ہے کہ مرحوم مصنوعی رکاوٹوں کو اردو کی ترقی کے راستے سے ہٹا دینا چاہتے تھے۔ آہستہ آہستہ انھوں نے اس موضوع کو گویا اپنا لیا۔ اس تحریک کا پورا مظاہرہ مرحوم کی کتاب "سماجیات" کے نام اس کی اصطلاحوں اور اس کے پورے اسلوب سے ظاہر ہوتا ہے۔ انھیں اردو کے عام تلفظ کے اردو زبان اس کے تلفظ اور اس کے املا پر اطلاق کرنے کے مسئلے پر اتنا غلو ہوا کہ آخر میں انھوں نے "خد" (خود) اپنے نام کا املا "جافر حسن" قرار دیا۔ ان کا کہنا تھا کہ ہم روز مرہ کی بولی میں ح، ذ، ص، ض، ط، ظ، ع جیسے حروف کا تلفظ نہیں کرتے تو ہم ان سے اپنی تحریر کو کیوں بوجھل کریں۔

مجھے متعدد مرتبہ ان کی تقریریں سننے اور ان کے مضامین پڑھنے کا اتفاق ہوا۔ اردو ہی کو وہ عامی بنانا چاہتے تھے اور اپنی حد تک انھوں نے اسے یہ روپ دے بھی دیا۔ لیکن وہ اس مسلک کی کامیابی کے ساتھ تبلیغ نہیں کر سکے۔ ان کے مضامین بھی بعض مرتبہ تحقیق آمیز اور تشریح طلب ہوتے تھے لیکن اس میں بھی شبہ نہیں کہ ان میں حقیقت پسندی اور تدبر کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔ دوسرے ملکوں کی طرح ہندستان کے "بھاشائی مسئلے" پر بھی ان کا انداز فکر اچھا اور حقیقت آمیز تھا۔ اس موضوع پر ان کا شاید آخری مضمون دلی کی علمی مجلس کے رسالہ تحریر جلد (۲) شمارہ (۱) میں طبع ہوا ہے۔ یہ مضمون ۴۲ صفحوں پر مشتمل ہے اس میں ہندی، اردو، ہندستانی اور انگریزی کا مقابلہ کیا گیا ہے۔ چونکہ اس سلسلے میں یہ مضمون گویا مرحوم کے خیالات کا نچوڑ ہے اس لئے اس کے چند فقرے یہاں نقل کئے جاتے ہیں۔

"اردو ہو یا ہندی، بنگالی ہو یا تمل دستوری اعتبار سے یہ سب ہندستان کی زبانیں ہیں۔ ہندی کو قومی زبان کہنا اپنے منہ اپنی تعریف کرنا ہے کیونکہ کسی قانون یا دستوری ترمیم سے ہندی کو قومی زبان نہیں کہا گیا۔"

"اردو کی حد تک میں وثوق سے کہتا ہوں کہ پچھلے دس برس میں سائنسی یا ٹکنیکی کا ذکر کیا، تمدنی علوم پر بھی اردو میں ایک بھی کتاب شائع نہیں ہوئی۔ جو اس زبان کے لئے قابل فخر ہو۔"

"کیا جنتا راج میں جنتا بھاشا کو زندہ رہنے کا کوئی حق نہیں؟ ہندستان کے عوام کی جو بولی چلی زبان اپنے باپ دادا سے ملی ہے کیا اسے جوں کا توں رکھنا ہمارا حق اور فرض نہیں۔ میں ان لوگوں میں سے ہوں جن کا پورا وشواس ہے کہ ہندستانی کو زندہ سلامت رکھنے میں چاہے ہم جیتیں یا ہاریں ہمیں اس کی پوری کوشش کرنی چاہئے کہ ہندی کی

(باقی صفحہ ۱۲ پر)

مراسلات

لسانی اقلیتوں کے اسکولوں کو سرکاری تحویل میں دینا بہتر

ہماری زبان مورخہ ۱۵ر جون ۷۳ء شمارہ ۲۲ میں جناب ...تب صدیقی صاحب جنرل سکریٹری بہار ریاستی انجمن ترقی اردو کی ...ٹ بابت ۷۳-۶-۱۹۷۲ء پڑھنے کے بعد یہ سوالات ذہن میں ابھرے ...جہاں تک لسانی اقلیت کے اسکولوں کو حکومت کی تحویل میں دینے ...وال ہے۔ میرے خیال میں انجمن کو اپنی پالیسی پر نظرثانی کرکے ترمیم ...نا چاہیے۔

لسانی اقلیتوں کے جتنے اسکول ہیں اُن کی اکثریت (۹۰ فیصدی ...کم نہیں) کی مالی حالت نہایت سقیم ہے۔ ان کا انحصار زیادہ تر چندوں ...طلبہ کی فیس پر ہے جس کی تعداد بہت کم ہوتی ہے۔ اسکولوں کا ...نام بھی اکثر ان لوگوں کے ہاتھوں میں ہوتا ہے جن کو اسکول کی فلاح ...بہبودی سے بہت کم دلچسپی ہوتی ہے۔ دیگر لسانی اقلیتوں کے بارے ...یہ خیال یا اندازہ غلط ہو سکتا ہے لیکن اردو اداروں کے متعلق ...قریبا صحیح ہے۔ اکثر لوگ تو مادری زبان میں تعلیم کی اہمیت سے ...واقف نہیں۔ انھیں نہ تو اسکول کی ترقی سے کوئی غرض ہوتی ...نہ ان کے دل میں اساتذہ کی ہمدردی ہوتی ہے۔ اسکول مالی ...کش میں مبتلا رہتا ہے۔ اساتذہ کو ان کی تعلیمی صلاحیت کے مطابق ...ہیں نہیں ملتی ہیں جس سے ان کی کارکردگی کی صلاحیت کم ہو جاتی ...اسکولوں میں دوسرے ضروری سامان مہیا نہیں ہوتے اپریٹس وغیرہ ...کا انتظام نہیں ہوتا۔ اکثر اسکولوں کی مجلس منتظمہ جوڑ توڑ سازشوں ...جانبداری کا اڈہ بن جاتی ہے۔ تقرری وغیرہ کے سلسلے میں یہ باتیں ...کر سامنے آجاتی ہیں جس سے اسکول کی فلاح و بہبودی پر سخت ...ب لگتی ہے۔ اس کے علاوہ اکثر اسکولوں کی مجلس منتظمہ خود ساختہ ...تی ہے۔ جس میں اہل غرض و جاہ طلب افراد پہنچ کر کرسیاں سنبھال ...لیں اور اس سے زندگی بھر چپکے رہنا چاہتے ہیں۔

ایسے باصلاحیت قابل اعتماد اور تجربہ کار حضرات کو ...کردگی کا موقعہ نہیں ملتا اور نہ وہ خود کو اس افراتفری، جاہ طلبی ...خود غرضیوں کے جھرمٹ میں ڈالنا چاہتے ہیں۔ نام دلنے کے وہ ...ہشمند نہیں جس سے جوڑ توڑ کی آلودگیوں میں ملوث ہونا نہیں چاہتے۔

ان حالات میں لسانی اقلیتوں کے اسکولوں کو بھی حکومت اپنی سرپرستی میں لے لے تو اس سے فائدے ہوں گے۔

اگر مرکزی انجمن کی پالیسی کی مطابقت میں ریاستی انجمن نے قدم اٹھایا ہے تو اس کا حوالہ ہونا چاہیے۔ ورنہ ریاست کے لئے حکومت کی سرپرستی ہی بہتر ہے جس کے چند فائدے درج کئے جاتے ہیں۔

(۱) اساتذہ کو گریڈ یا اسکیل کے مطابق تنخواہ ملے گی۔

(۲) اسکول کی معاشی حالت مضبوط ہو جائے گی۔

(۳) مجلس منتظمہ کی دھاندلی ختم ہو جائے گی۔

(۴) تعلیم کا معیار بلند ہو جائے گا کیونکہ اساتذہ یکسوئی کے ساتھ تعلیم دے سکیں گے۔

البتہ یہ ہونا چاہیے کہ حکومت ان اسکولوں کے اقلیتی کردار کو نہ بدلے اور جب ہم اپنے بنیادی مطالبات میں جس کے لئے ہم سب کی مہم کر رہی ہے، کامیاب ہو جائیں گے تو اقلیتی اسکول بہرحال اقلیتی ہی رہے گا۔

سہسرام۔ مفتاح الدین احمد علیگ

اردو ٹیچروں کی تقرری میں دھاندلی اور رشوت ستانی

علی گڑھ :- ۲۳ر جون کو علی گڑھ میں پرائمری درجات میں اردو پڑھانے والے مدرسین کی تقرری کے لئے یوٹ ہاؤس میں انٹرویو تھا۔ اس موقع پر کچھ سماجی کارکن بغرض تحقیق امیدواروں کی رہنمائی کی غرض سے موقع واردات پر پہنچ گئے تھے۔ صبح ۸ بجے تک کافی امیدوار جمع ہو گئے تھے۔ ان میں کم سے کم مطلوبہ استعداد رکھنے والے امیدوار بھی تھے اور ایم۔ اے اور بی۔ ایچ۔ ڈی کے سند یافتہ بھی جو ملک میں پھیلی ہوئی عام بے روزگاری کا مظاہرہ کر رہے تھے۔ یہ سب بے چارے زمانہ کے مارے ہوئے بے روزگاری کے ستائے ہوئے پریشان حال کے عالم میں امید و بیم کا طوفان دلوں میں لئے ہوئے ادھر ادھر گھوم رہے تھے۔

وہاں پہنچنے پر معلوم ہوا کہ یہاں رشوت کا بازار گرم ہے۔ اور انٹرویو کی کامیابی کا انحصار حسب طلب رشوت پر ہے مختلف طریقوں سے یہ بات کلرکوں کے ذریعہ امیدواروں تک پہنچا دی گئی تھی کہ سو دو سو روپیہ رشوت دئے بغیر کام نہیں بنے گا۔ جب ان پریشان حال امیدواروں کی تعداد اور زیادہ بڑھ گئی تو انٹرویو میں کامیابی کی قیمت پانچ سو روپیہ تک بڑھا دی گئی۔ اب آپ خود اندازہ لگا سکتے ہیں کہ یہ نادار اور غریب امیدوار جو پیسے پیسے کے محتاج ہیں اور اپنی زندگی کو برقرار رکھنے کے لئے اس معمولی تنخواہ کی جگہ پر کام کرنے کی امیدیں ساتھ لے کر آئے ہیں وہ اتنی بڑی رقم ان انسان دشمن، حریص اور لالچی اہلکاروں کی جیبیں بھرنے کے لئے کہاں سے فراہم کر سکتے ہیں۔ صبح سے شام تک یہی تکلیف دہ منظر نظروں کے سامنے رہا۔

سب سے زیادہ تعجب کی بات یہ تھی کہ انٹرویو اردو ٹیچروں کا تھا مگر انٹرویو کمیٹی میں اردو جاننے والا ایک بھی ممبر موجود نہیں تھا سب ایسے ہی آدمیوں کو بھر لیا تھا جو نہ صرف اردو سے ناواقف ہی تھے بلکہ اردو کی جڑیں کاٹنے والے تھے۔ ایسے انٹرویو کا جو حشر ہونا چاہیے تھا وہی ہوا کہ مستحقین کو بے نیل و مرام واپس لوٹنا پڑا۔

کیونسٹ لیڈر نے محض سماجی خدمت کے پیش نظر شہر میں مختلف مقامات پر اپنی شاخیں کھول رکھی ہیں۔ یہاں کچھ غریب نادار لڑکوں

(باقی صفحہ ۸ کالم ۲)

انجمن کی خبریں

انجمن ترقی اردو اترپردیش کی سرگرمیاں

لکھنؤ:۔ ریاستی انجمن ترقی اردو کے مندوبین نے سالانہ جلسے میں فیصلہ کیا ہے کہ اس مہینے اترپردیش کے پرائمری اسکولوں میں ۵ لاکھ ایسے بچوں کا داخلہ کرایا جائے جن کی مادری زبان اردو ہے۔

مندوبین نے گزشتہ سنیچر کو اپنے اجتماع میں اس مطلب کا ایک رزولیوشن منظور کیا جس میں کہا گیا ہے کہ اردو پڑھنے والے بچوں کا داخلہ کرانے کے لئے یہ ضروری ہے کہ محلہ محلہ اور گلی گلی تعلیمی مہم چلائی جائے۔

ایک دوسرے رزولیوشن میں کہا گیا کہ ریاستی حکومت نے چار ہزار اردو ٹیچروں کے تقرر کا اعلان کیا ہے اس لئے متعلقہ افسروں کو ہدایت کر دی جائے کہ وہ جدید اساتذہ مقرر کریں تاکہ صحیح طور پر اردو جاننے والے بھرتی ہوں اور مزید افراد کو روزگار مل سکے۔

مندوبین کو خطاب کرتے ہوئے ریاستی شاخ کے صدر بابو شیو ناتھ پرشاد نے کہا کہ اردو کی تعلیم و ترقی کے لیے محض سرکاری مراعات پر تکیہ کرنا ضروری نہیں ہے بلکہ اردو کی تحریک کو بڑھاوا دینے کی ضرورت ہے۔ انھوں نے اردو دوستوں سے اپیل کی کہ وہ اردو کے دشمنوں جیسا جذبۂ عمل اپنے اندر پیدا کریں۔

اجتماع کا عام رجحان یہ تھا کہ اترپردیش میں اردو کو دوسری سرکاری زبان کا درجہ دیا جائے لیکن اردو کے حامیوں کا یہ بھی فرض ہے کہ وہ اپنے طور پر بھی اردو کو بڑھاوا دیں اور اس کی تعلیم کا بندوبست کریں۔ • نامہ نگار

ہریانہ میں اردو کو دوسری سرکاری زبان کا درجہ دیا جائے

انبالہ کینٹ:۔ انجمن ترقی اردو ہند ہریانہ اسٹیٹ کے جنرل سکریٹری ملک اوم پرکاش نے اخباروں کو ایک بیان دیتے ہوئے حکومت پر زور دیا ہے کہ وہ اردو کو دوسری سرکاری زبان کا ریاست میں درجہ دے۔ موصوف نے کہا کہ حکومت کے اس اقدام سے ہندی کو فروغ حاصل ہوگا۔ جناب ملک نے کہا ہماچل پردیش میں سہ لسانی فارمولا پر عمل کر کے اردو کی تعلیم کا ہر اسکول میں انتظام کیا گیا ہے۔

جناب ملک نے کہا کہ ریاست میں اردو کو فروغ دینے کے لئے ایک الگ شعبہ قائم کیا جائے۔ موصوف نے کہا کہ اس سلسلہ میں انجمن کا ایک وفد جلد ہی منسٹر سے ملنے والا ہے مسٹر ملک اور ریاستی شاخ انجمن ترقی اردو کے سکریٹری اجمل خاں پوری ریاست کا اس سلسلے میں دورہ کرنے والے ہیں۔

• نامہ نگار

راجستھان میں اردو کے مسائل پر گورنر سے تبادلۂ خیال

جے پور:۔ انجمن ترقی اردو راجستھان کے ایک وفد نے راج بھون جے پور میں عزت مآب جناب سردار جوگیندر سنگھ گورنر راجستھان سے ملاقات کی۔ جناب کلیم الدین کمال عثمانی جنرل سکریٹری انجمن ترقی اردو راجستھان نے اردو کے مسائل پر روشنی ڈالی۔ گورنر صاحب نے تمام شکایات کو بڑی ہمدردی اور غور سے سنا نیز ارشاد فرمایا کہ وہ وزیر تعلیم شری چندن مل بید سے کل ہی تعلیمی معاملات کے بارے میں گفتگو کریں گے اور پرسوں اس کا جواب دیں گے۔ گورنر صاحب کی خدمت میں مندرجہ ذیل مطالبات پر مشتمل ایک تحریری یادداشت بھی پیش کی گئی۔

(۱) ریاستی حکومت اردو کے سلسلے میں اب تک جو احکامات صادر کر چکی ہے ان پر فوراً عمل کیا جائے۔

(۲) راجستھان یونیورسٹی کے ایم۔ اے درجات میں اردو تعلیم کا انتظام کیا جائے۔

(۳) مہارانی گرلس کالج جے پور میں ڈگری کلاسوں میں اردو تعلیم کا انتظام کیا جائے۔

(۴) کوڈ گرلس کالج میں اردو کلاس کھولی جائے۔
(۵) ابتدائی درجات کے لئے اردو کی درسی کتابیں مہیا کی جائیں۔
(۶) چورو ضلع میں اردو میڈیم گرلس پرائمری اسکول کھولے جائیں جہاں طالبات کی بڑی تعداد موجود ہے۔
(۷) اردو کے غیر تربیت یافتہ اساتذہ کے لئے تربیت کا انتظام کیا جائے اور جب تک کوئی انتظام نہ ہو ان کے تدریسی تجربہ کے پیش نظر ان کو ساوانہ ترقی دی جائے۔
(۸) راجستھان ساہتیہ اکیڈیمی میں اردو کا بجٹ الگ ہو اور وہ صرف اردو کی ترویج و اشاعت پر ہی خرچ کیا جائے۔ نیز اکیڈمی سے اردو مشاورتی بورڈ میں انجمن کی نمائندگی بھی ہو۔
(۹) سرکاری یونانی دواخانوں میں اسٹاف کا اردو جاننا ضروری ہو۔ نسخے اردو میں لکھے جائیں۔ کیونکہ ہندوستان بھر میں طب یونانی کا ذریعہ تعلیم اردو ہے۔
(۱۰) راجستھان اسمبلی میں ممبران کو اردو میں سوالات پیش کرنے کی اجازت دی جائے اور ان کی تقاریر کا ریکارڈ اردو میں بھی رکھا جائے۔
(۱۱) جن علاقوں میں اردو بولنے والوں کی تعداد پندرہ فیصدی یا زیادہ ہو وہاں قاعدے کے مطابق ووٹر لسٹ انگریزی اور ہندی کے علاوہ اردو میں بھی شائع کی جائے۔
(۱۲) محکمہ تعلقات عامہ میں اردو کا شعبہ الگ قائم کیا جائے۔
(۱۳) ریاستی حکومت کے خاص خاص قوانین اردو میں بھی شائع کئے جائیں۔
(۱۴) گورنمنٹ سنٹرل پریس سے جون ۱۹۵۰ء تک اردو طباعت کا انتظام تھا۔ یہ انتظام پھر سے کیا جائے۔

حکیم الدین تجلی عثمانی جنرل سکریٹری

اعظم گڈھ میں انجمن ترقی اردو کی شاخ

اعظم گڈھ: بہی خواہان و ہمدردان اردو کا ایک جلسہ شبلی اکاڈمی اعظم گڈھ میں زیر صدارت جناب شاہ معین الدین احمد ندوی صاحب ناظم دار المصنفین منعقد ہوا۔ جس میں انجمن ترقی اردو (ہند) کی شاخ اعظم گڈھ کی تشکیل عمل میں آئی۔ مندرجہ ذیل عہدیدار منتخب ہوئے۔

(۱) شاہ معین الدین ندوی صاحب — صدر
(۲) بدیع الزماں اعظمی صاحب — سکریٹری

ان کے علاوہ ۲۵ اراکین مجلس عاملہ کا انتخاب عمل میں آیا۔

• سکریٹری

سندیلہ میں انجمن ترقی اردو کی شاخ کا قیام

سندیلہ:- یہاں قاضی محمد رفیع الدین صاحب کے مکان پر ایک جلسہ ہوا جس میں انجمن ترقی اردو کی ایڈہاک کمیٹی کی تشکیل عمل میں آئی۔ صدر چودھری وجاہت علی ایڈوکیٹ نائب صدر سید حافظ حسین جنرل سکریٹری حبیب حسن خزانچی وصی احمد اور آڈیٹر شوکت علی منتخب ہوئے۔ اس کے علاوہ کمیٹی کے مزید چھ ممبران کا انتخاب عمل میں آیا۔ • نامہ نگار

صفحہ ۲ سے آگے

اور لڑکیوں کو اس قابل بنانے کی کوشش کی جاتی ہے کہ وہ زندگی کی دوڑ میں شریک ہو سکیں اور کم سے کم مطلوبہ استعداد حاصل کرکے ایسی جگہوں پر مامور ہونے کے بعد ہولناک پریشانیوں سے نجات حاصل کرنے میں کامیاب ہو سکیں۔ مگر یہاں یہ ہیتناک منظر دیکھ کر ساری امیدیں خاک میں مل گئیں۔

ان دردناک حالات کے پیش نظر میں اپنی سرکار سے درخواست کرتی ہوں کہ وہ ان اہم مسائل کی طرف خصوصی توجہ مبذول کرکے اس قسم کی بدعنوانیوں کا انسداد کرے دوسری طرف سماجی کارکنوں سے بھی میری اپیل ہے کہ وہ ہندوستانی معاشرے سے اس قسم کی بداعمالیوں کو دور کرنے کے لئے کمربستہ ہو جائیں۔ • وسیمہ انصاری سنگھ
سکریٹری کمیونٹی سنٹر

اخباروں سے تراشے

ڈگری کالجوں میں اردو اساتذہ کیلئے سرکاری امداد

گورکھپور: حکومت اترپردیش نے یہ حکم جاری کیا ہے کہ ریاست کے ڈگری کالجوں میں اردو تعلیم کو فروغ دینے کی غرض سے ریاستی حکومت ہر ڈگری کالج کو اردو کے استاد کے تقرر کی تاریخ سے گرانٹ دے گی۔

• قومی آواز۔ لکھنؤ

بارہ بنکی ڈگری کالج میں اردو تعلیم کا مطالبہ

بارہ بنکی: مقامی ڈگری کالج میں اردو کی تعلیم کا مطالبہ روز بروز بڑھتا جا رہا ہے کیونکہ اس کے لئے ضلع کے ہر فرقہ، ہر سیاسی پارٹی، میونسپل کمشنر، سوشل ورکر ہر ایک نے کسی نہ کسی طریقہ سے اس کا مطالبہ کیا ہے۔

ضلع کے سابق ایم۔پی جناب رام سیوک یادو نے بھی اپنے ایک بیان میں اگلے سال جولائی سے اس ڈگری کالج میں اردو تعلیم کے بندوبست کا پرزور مطالبہ کرتے ہوئے ڈگری کالج مجلس انتظامیہ کے تمام عہدیداروں و ممبران سے کہا کہ اب حکومت نے ہر ضلع میں کم سے کم ایک ڈگری کالج میں اردو تعلیم کے دیے جانے پر مالی امداد دیئے جانے کا اعلان کر دیا ہے۔

جناب یادو نے آگے کہا کہ اس ضلع کے قریب قریب ہر انٹر کالج میں اردو ہے اور یہاں سے کافی تعداد میں طلبہ انٹر میں اردو لے کر پاس ہوتے ہیں مگر ضلع میں اردو ڈگری کالج نہ ہونے کی وجہ سے ان کو سخت پریشانیوں سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔

• قومی آواز۔ لکھنؤ

نہرو ڈگری کالج اور ردولی انٹر کالج میں اردو پڑھانے کا مطالبہ

بارہ بنکی: ضلع یوتھ کانگریس کے کنوینر جناب احترام علی نے مطالبہ کیا ہے کہ ردولی انٹر کالج میں اردو کا مضمون پڑھائے جانے کا فوری بندوبست کیا جائے۔

انھوں نے ایک بیان میں کہا کہ اس قصبہ میں اردو طلبہ کی ایک بڑی تعداد ہے جسے ہر سال دوسرے کالجوں میں اردو پڑھنے کے لئے جانا پڑتا ہے۔

انھوں نے ذمہ داروں سے اپیل کی کہ آئندہ تعلیمی سال سے مذکورہ انٹر کالج میں اردو کا مضمون پڑھانے کا بندوبست کر دیا جائے اور مقامی جواہر لال نہرو ڈگری کالج میں بھی اردو کی تعلیم شروع کرادی جائے۔

• قومی آواز۔ لکھنؤ

اردو سے متعلق گورنر یو۔پی کو یادداشت

میرٹھ: جمعیۃ علماء شہر میرٹھ کا ایک وفد گورنر یو۔پی جناب اکبر علی خاں سے ملا اور گورنر موصوف کو ایک میمورنڈم بھی دیا گیا جس میں اس بات کا مطالبہ کیا گیا کہ نئے اردو ٹیچروں کے تقرر میں اس بات کا بھی لحاظ رکھا جائے کہ وہ نئے ہوں تاکہ نوجوان اور نئے اردو دان طبقہ کی حوصلہ افزائی ہوسکے۔ گورنر صاحب نے مناسب کارروائی کا یقین دلایا۔

• الجمعیۃ، دہلی

دیہی علاقوں میں بھی اردو تعلیم کے لئے سہولتیں فراہم کرنے کا مطالبہ

کانپور کی شہری جمعیۃ العلماء کے جنرل سکریٹری نے حکومت سے مطالبہ کیا ہے کہ گورنمنٹ شہری علاقہ کے ہر اسکول میں اردو ٹیچر کا انتظام کر رہی ہے یہ بہت اچھی بات ہے لیکن دیہی علاقوں کو نظر انداز کرنا کسی طرح انصاف کی بات نہ ہوگی۔ اردو اسکولوں کے بہتر انتظام کے لئے اور ان کو پوری طرح منظور کرنے کے لئے بہتر تو یہ ہوگا کہ گورنمنٹ یوپی کے پانچ بڑے شہروں میں اردو کا ایک ایک سپرنٹنڈنٹ مقرر کر دے جو گورنمنٹ کی اردو اسکیم کو خوش اسلوبی کے ساتھ عملی شکل دے۔

• سیاست جدید، کانپور

اردو ایڈیٹروں کی ایک اور کانفرنس کے انعقاد کی تجویز

نئی دہلی: معلوم ہوا ہے کہ آل انڈیا اردو ایڈیٹرس کونسل کی مجلس عاملہ کا اجلاس لکھنؤ میں منعقد ہونے والا ہے اجلاس کی تیاریاں شروع ہوگئی ہیں۔

اس اجلاس کے موقع پر ایڈیٹرس کونسل کی طرف سے ایک سووینیر بھی شائع کیا جائے گا اور ایک نمائش بھی منعقد ہوگی جس سے اردو زبان کے ارتقاء کی ایک تصویر سامنے آسکے گی۔

اجلاس ۱۸ راگست سے ۲۰ راگست تک رہے گا کونسل نے تمام اردو اخبارات سے اپیل کی ہے کہ جو حضرات اب تک کونسل کے ممبر نہیں ہوسکے ہیں وہ جلد از جلد رکنیت قبول کرلیں اور اس کی فیس پٹنہ آفس کو بھیج دیں۔

• دعوت۔ دہلی

"ہماری زبان"

سے خط وکتابت کرتے وقت اپنے خریداری نمبر کا حوالہ ضرور دیں۔ — ایڈیٹر

دوسرے اداروں کی خبریں

بھوپال میں ادبی نشستیں

بھوپال:۔ بھوپال کی مقتدر ادبی انجمن حلقۂ ارباب ادب نے پچھلے ماہ دو ادبی شامیں منائیں جن میں اردو کے صف اول کے محققوں، ادیبوں، شاعروں اور صحافیوں نے شرکت کی۔ جناب حبیب تنویر نے کہا کہ اردو کے ساتھ جو ناانصافی ہو رہی ہے اس کے خلاف پارلیمنٹ میں بار بار آواز اٹھانا میں اپنا فرض سمجھتا ہوں۔ آپ نے کہا کہ ملک کی یکجہتی اور اتحاد کے نام پر صرف اردو والوں سے قربانی کا مطالبہ کرنا درست نہیں ہے آپ نے اردو رسم خط میں تبدیلی کی بھی مخالفت کی۔

جناب مالک رام نے زبان کو ایک بڑھتی ہوئی دولت سے تعبیر کرتے ہوئے اس بات پر افسوس کا اظہار کیا کہ آج شعر و ادب میں جو زبان استعمال کی جا رہی ہے اس میں توازن کا فقدان ہے۔ آپ نے کہا کہ جدیدیت کے نام پر کسی کو زبان کا تیاپانچا کرنے کی اجازت نہیں دی جائے گی۔

جناب علی جواد زیدی نے کہا کہ قلم کی خدمت کرنے والے مسائل کو سطحی نظر سے نہ دیکھیں اور دوسروں کو بھی اس سے بچنے کی کوشش کریں۔ مسٹر عابد علی خاں صاحب نے اردو اخبارات کی اشاعت میں اضافے اور ان کے فنی معیار پر روشنی ڈالی۔ جبکہ خلیق انجم صاحب نے سیکولر ڈیماکریسی کے تعلق سے گفتگو کی۔ دوسری نشست کے خاتمہ پر ایک مختصر محفل مشاعرہ بھی منعقد ہوئی۔

• نامہ نگار

اردو کی ترقی کے لئے حکومت کے اقدامات

حیدر آباد:۔ پروفیسر ڈی پی یادو مرکزی نائب وزیر تعلیم نے کہا کہ اردو کی ترقی میں رکاوٹیں پیدا کرنے والے ملک و قوم کے دشمن ہیں۔ پروفیسر یادو کل رات ادارہ اردو ترقی ادب آندھرا پردیش کے زیر اہتمام "ہندوستان میں اردو کے مسائل" کے زیر عنوان تقریر کر رہے تھے۔

انھوں نے کہا کہ اردو کی اعلیٰ اور معیاری کتابیں شائع کی جائیں اور ساتھ ہی ساتھ دوسری زبانوں کے ادب کو اردو میں منتقل کیا جائے۔ مرکزی وزیر نے بتایا کہ حکومت ہند نے حال ہی میں ایک سرکلر جاری کیا ہے جس میں ریاستوں پر پابندی لگائی ہے کہ ٹیچرس ٹریننگ میں (۱۰) فیصد اردو ٹیچرس ہونے چاہئیں۔ جناب یادو نے بتایا کہ نیشنل کونسل آف سائنٹفک اینڈ ایجوکیشن ریسرچ کی جانب سے (۴۰) اردو کتابیں شائع ہوئی ہیں۔ انھوں نے توقع ظاہر کی کہ گجرال کمیٹی کی رپورٹ اردو کی ترقی کے لئے نئی راہیں کھول دے گی۔ • نامہ نگار

اردو مجلس کا ادبی اجلاس و مشاعرہ

حیدرآباد:۔ اردو مجلس کا ادبی اجلاس و مشاعرہ اردو ہال، حمایت نگر میں زیر صدارت پروفیسر ابوظفر عبدالواحد سابق پرنسپل اردو کالج منعقد ہوا۔ اجلاس میں ڈاکٹر غیاث صدیقی نے "ماضی کا مستقبل اور اردو شاعری" کے عنوان پر اپنے مضمون میں کہا کہ ادب میں آج کا دور بغاوت کا دور ہے لیکن میانہ روی ضروری ہے۔ صدر جلسہ پروفیسر ابوظفر عبدالواحد نے اپنی صدارتی تقریر میں کہا کہ "اردو مجلس" کے جلسے معیاری ہوتے ہیں۔ ڈاکٹر غیاث صدیقی کے مضمون پر اظہار خیال کرتے ہوئے کہا کہ اس موضوع پر اور توجہ کی ضرورت تھی۔ ادبی اجلاس کے بعد مشاعرہ ہوا۔

• نامہ نگار

پروفیسر احتشام حسین کی اہلیہ کو ماہانہ وظیفہ

لکھنؤ:۔ شری تنک دیو پنت ڈپٹی سکریٹری تعلیمات حکومت اترپردیش نے اترپردیش اردو اکاڈمی کے سکریٹری کو مطلع کیا ہے کہ ریاستی حکومت نے اردو اکاڈمی کی مجلس انتظامیہ کی درخواست پر پروفیسر سید احتشام حسین کی بیوہ کو یکم جنوری ۷۳ء سے دو سو روپیہ ماہانہ کی مالی امداد دینے کی منظوری دی ہے اور اس کے علاوہ مرکزی حکومت سے بھی انھیں امداد دینے کی سفارش کر دی گئی ہے۔

• نامہ نگار

(باقی صفحہ ۱۲ پر)

تبصرہ

ڈاکٹر انصار اللہ

تذکرۂ شعراء از حسرت موہانی

مرتب: ڈاکٹر احمر لاری
ناشر: ادبستان، نظام پور، گورکھپور
ضخامت: ۲۰۴ صفحات
قیمت: آٹھ روپے

ڈاکٹر احمر لاری ایک مدت تک مشقِ سخن کرنے کے بعد تنقید و تحقیق کی طرف مائل ہوئے ہیں۔ وہ شعر و ادب کے مسائل اور نکات سے بخوبی واقف ہیں۔ پروفیسر محمود الٰہی جیسے صاحبِ نظر استاد کی تربیت نے اُن کی صلاحیتوں پر جلا کی ہے۔ حسرت موہانی کی حیات اور خدمات کے موضوع پر احمر صاحب نے جو تحقیقی مقالہ تیار کیا ہے اس پر گورکھپور یونیورسٹی نے ان کو پی ایچ ڈی کی سند عطا کی ہے۔ یہ مقالہ بھی عنقریب شایع ہونے والا ہے اور قوی امید ہے کہ اسے بھی اہلِ نظر پسند کی نظر سے دیکھیں گے۔

ڈاکٹر لاری اغلب ہے کہ پروفیسر سید مسعود حسن رضوی کی غیر معمولی شخصیت سے بھی نہایت متاثر ہیں چنانچہ جس ادارہ سے ان کی زیرِ تبصرہ کتاب شایع ہوئی ہے اس کا نام میرے اس خیال کا موید ہے۔ مولانا حسرت موہانی کے "تذکرۂ شعرا" کا متن بھی ڈاکٹر لاری نے کم و بیش پروفیسر رضوی صاحب کے طرز پر ہی شایع کیا ہے یعنی متن کے مندرجات سے بجز ایک دو مقامات کے کہیں بحث نہیں کی ہے۔ قدیم متون کی اشاعت کا یہ طریقہ آج بھی ایک حلقے میں عام ہے۔ "پیش لفظ" میں ڈاکٹر لاری نے فرمایا ہے:

> "حسرت نے کم سے کم ایک سو آٹھ شعرا کے تراجم لکھے ہیں اور اگر ان کو یکجا کرکے شائع کیا جائے تو یہ تذکرہ ہزار بارہ سو صفحات پر مشتمل ہو گا۔ لہذا۔۔۔ اس انتخاب میں حاتم سے لے کر تسلیم لکھنوی تک دس شعرا کے تراجم شامل ہیں"
> (ص ۱۰)

یہ دس شعرا وہ ہیں جن سے لاری صاحب کے قول کے مطابق یا تو حسرت کی شاعری کا سلسلہ ملتا ہے یا ان سے حسرت متاثر رہے ہیں۔ میری خواہش ہے کہ لاری صاحب، انتخاب کے بجائے مکمل تذکرہ شایع کر دیں خواہ وہ ہزار بارہ سو صفحات پر ہی کیوں نہ مشتمل ہو۔ انتخاب پھر انتخاب ہے۔

کتاب کے شروع میں اکتیس صفحات پر مشتمل مقدمہ ہے جس میں اردو میں تذکرہ نویسی کی روایت کے ارتقا اور اس کی اہمیت سے بحث کی گئی ہے۔ اگر بعض امور سے متعلق ذرا سی توجہ اور کر لی جاتی تو میرا خیال ہے کہ اس مقدمہ کو لاری صاحب کا کارنامہ کہا جاتا اور وہ امور یہ ہیں:

> (الف) "لطف کا تذکرہ گلشن ہند پہلا تذکرہ ہے جو اردو زبان میں ہے"
> (ص ۱۲)

لطف کے تذکرہ کو ترجمہ کہا جا سکتا ہے۔ اسی زمانہ میں حیدری نے بھی اسی نام سے ایک تذکرہ اردو میں لکھا تھا جسے پروفیسر مختار الدین احمد نے کئی برس ہوئے شایع کر دیا ہے۔ اس کا ذکر بھی اس موقع پر مناسب تھا۔

> (ب) "تحفۃ الشعرا اور گلشن گفتار۔۔۔۔ محض دکن کے شعرا تک محدود ہیں"
> (ص ۱۴)

تحفۃ الشعرا میں مظہر اور گلشن گفتار میں سودا، قائم وغیرہ کا ذکر موجود ہے۔

> (ج) "تاریخی نقطۂ نظر سے نکات الشعرا کو تقدم کا شرف حاصل ہو یا نہ ہو لیکن اہمیت کے لحاظ سے یقیناً وہ سب پر مقدم ہے"
> (ص ۱۴)

اس جملے کا پہلا جز اگر نہ لکھا گیا ہوتا تو اچھا تھا۔

بہر حال اس مختصر مقدمہ کے لئے ڈاکٹر احمر لاری مبارکباد کے مستحق ہیں۔

تذکرہ میں حاتم، سودا، قائم، مصحفی، نظیر، ذوق، مومن، غالب، نسیم اور تسلیم کے حالات شامل ہیں۔ آخر میں دو ضمیمے بھی ہیں یعنی:

(الف) ان شعرا کی فہرست جن کا تذکرہ حسرت نے لکھا۔
(ب) جن کا تذکرہ حسرت کے رسالوں کے لئے دوسروں نے لکھا۔

کتاب بطورِ مجموعی نہایت قابلِ قدر ہے اچھے کاغذ پر بہت اہتمام کے ساتھ چھاپی گئی ہے۔

صفحہ ۱۰ سے آگے

مولانا ضیاء احمد بدایونی کی وفات پر تعزیتی قرارداد

انجمن اردوئے معلی شعبۂ اردو علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے ایک تعزیتی جلسہ میں مولانا ضیاء احمد بدایونی کے انتقال پر مندرجہ ذیل تعزیتی قرارداد منظور کی گئی۔

انجمن اردوئے معلی شعبۂ اردو کا یہ جلسہ پروفیسر ضیاء احمد بدایونی کے انتقال پر ملال پر اپنے دلی رنج وغم کا اظہار کرتا ہے اور اسے اردو والوں کے لیے ایک ناقابل تلافی نقصان سمجھتا ہے۔

پروفیسر ضیاء احمد بدایوں کے ایک علم دوست خاندان کے چشم وچراغ تھے۔ انھوں نے عربی اور فارسی کی تعلیم قدیم طریقے کے مطابق حاصل کرنے کے بعد انگریزی تعلیم حاصل کی۔ بریلی کالج سے ایم۔ اے کیا اور اس کے بعد الہ آباد میں کچھ عرصے ڈاکٹر زبید احمد کی نگرانی میں ریسرچ کی۔ ۱۹۲۶ء سے علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے شعبۂ فارسی سے وابستہ رہے اور ۱۹۵۸ء میں پروفیسر اور صدر شعبہ کے عہدے سے سبک دوش ہوئے۔ اس کے بعد انھوں نے کچھ عرصہ انجمن ترقی اردو ہند میں اردو لغت کی تیاری کے کام کی نگرانی کی اور اس کے بعد تقریباً دس سال دہلی یونی ورسٹی کے شعبۂ اردو سے لغت کے کام کے سلسلہ میں وابستہ رہے۔

پروفیسر ضیاء احمد کو عربی، فارسی اور اردو زبان وادب تینوں پر یکساں عبور حاصل تھا۔ تینوں زبانوں کے کلاسیکل ادب کے ہر رنگ وآہنگ سے وہ واقف تھے اور متعدد ادبی وعلمی تصانیف اور مقالات کے مصنف تھے۔ مومن کے کلام کی شرح ان کی نظر کی گہرائی اور نکتہ رسی کی دلیل ہے۔

پروفیسر ضیاء احمد کا اخلاق بڑا وسیع تھا۔ وہ علمی کاموں میں دل کھول کر ہر ایک کی مدد کرتے تھے خصوصاً مشکل اشعار کی شرح میں تو ان کو بڑا ملکہ تھا۔ ان کا علم بلاشبہ قاموس تھا۔

یہ جلسہ دعا کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ انھیں راحت بے پایاں سے سرفراز کرے اور پس ماندگان کو صبر جمیل کی توفیق عطا کرے۔

• نامہ نگار

(صفحہ ۲ سے آگے)

کی یہ پالیسی ہے یا افسران متعلقہ کی خود ساختہ اپج۔ حکومت کا اعلان بالکل واضح تھا کہ چار ہزار نئے اردو ٹیچر مقرر کیے جائیں گے۔ اس میں پرانے ٹیچروں کی تقرری کا کہیں ذکر نہیں تھا۔ اور نہ ہونا چاہیے تھا۔ نئے امیدواروں کو موقع دے کر بے روزگاری کے مسئلے کو حل کرنے میں بھی کچھ مدد ملے گی اور اردو کی ترقی میں بھی کچھ سہارا مل جائے گا۔ پرانے ٹیچر جس جگہ کام کر رہے ہیں ان کو وہیں رہنے دیا جائے۔

بہر حال یہ حکومت کے سوچنے کا کام ہے کہ اردو کی ترقی کے لئے اپنے امید افزا اعلانات سے اس نے جو خوشگوار فضا پیدا کر دی تھی وہ قائم رہنی چاہیے یا نہیں۔ اردو دوستوں کا اعتماد بحال کرنے کے لئے ابھی بڑی فراخ دلی کے ساتھ عملی اقدام کی ضرورت ہے۔

• ادارہ

مالک انجمن ترقی اردو ہند علی گڑھ، پرنٹر و پبلشر سید تفضل حسین ایم۔ اے نے لیتھو کلر پریس علی گڑھ میں چھاپا اور دفتر مرکزی انجمن ترقی اردو ہند علی گڑھ سے شائع کیا